پانی چھوڑ دو یہ سن کر انصاری نے کہا یا رسول اللہ ﷺ (آپ نے یہ فیصلہ اس کے حق میں اس لیے کیا ہے) زبیر آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے یہ سن کر آپ غصہ میں آ گئے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا پھر آپ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا تو اپنی کھیتی کو اتنا سیراب کر کہ پانی کھیت کے کناروں تک پہنچے اور پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس انصاری نے توہین کا ارتکاب کیا اور جس کی سزا آپ ﷺ نے یہ دی کہ حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ تم اپنی کھیتی کو سیراب کرو یہاں تک کہ پانی کھیت کی دیواروں تک پہنچے اور پھر اس انصاری کے لیے پانی چھوڑو۔

سنن ابی داؤد میں ہی ایک روایت ہے جو حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے مروی ہے:

انـه كانت له عضد من نخل في حائط رجل من الانصار قال ومع الـرجـل اهـلـه قال فكان سمرة يدخل الى نخله فيتاذى به ويشق عليه فطلب اليه ان يبيعه فابى فطلب اليه ان يناقله فابى فاتى النبى ﷺ فـذكر له ذلک فطلب اليه النبى ﷺ ان يبيعه فابى فطلب اليه ان يناقله فابى قال فهبه له ولک كذا كذا امرا رغبه فيه فابى فـقـال انت مضار فقال رسول الله ﷺ للانصارى اذهب فاقطع نخله۔(۳۸)

ایک انصاری کے باغ میں کھجور کے درخت تھے اور اس انصاری کے ہمراہ اہل وعیال بھی تھے تو سمرہ جب اپنے درختوں کیلئے جاتے تو انصاری کو تکلیف ہوتی اور ان کا آنا اس پر دشوار ہوتا اسلئے انصاری نے وہ درخت سمرہ سے خریدنا چاہے مگر سمرہ نے انکار کیا پھر ان کو مبادلہ پر پیش کش کی تو بھی سمرہ نے انکار کیا پھر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مدعا پیش کیا۔

آپ ﷺ نے سمرہ کو طلب کر کے فرمایا اے سمرہ یہ درخت اسے فروخت کر دے تو سمرہ نے انکار کیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا درختوں کے بدلے درخت لے لو اس پر بھی اس نے انکار کیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا اسے ہبہ کر دو اور اس کے عوض میں یہ یہ لے لو پھر مزید رغبت دلائی سمرہ پھر نہ

☆ ثمن: وہ مقدار جس پر عاقدین رضامند ہو جائیں خواہ وہ قیمت سے زائد ہو یا کم ☆

مانا پھر آپ ﷺ نے فرمایا تو ایذا دینے والا ہے پھر حضور ﷺ نے انصاری سے فرمایا تو جا اور اس کے درختوں کو اکھیڑ ڈال۔

اس مقدمے میں اگرچہ آپ ﷺ نے حکماً کوئی ایک فیصلہ نہیں بلکہ مدعی علیہ کو تین چار باتوں میں سے کوئی ایک بات ماننے کو کہا لیکن اس نے کوئی بات بھی تسلیم نہ کی۔

لہٰذا جب قاضی مدعا علیہ کی رعایت یا مقدمہ کی نوعیت کے پیش نظر مسئلہ کے حل کے لیے ایک سے زائد صورتیں پیش کرے اور مدعی علیہ پھر بھی ان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو قاضی کو حق پہنچتا ہے کہ اسے توہین عدالت کی سزا دے۔

آنحضور ﷺ نے بھی اسی بنا پر سمرہؓ بن جندب کو توہین عدالت کے طور پر اس کے درخت اکھاڑنے کی سزا دی۔

بعض احادیث ایسی بھی ملتی ہیں حضور اکرم ﷺ نے توہین عدالت کے مرتکبین کو کوئی سزا نہ دی بلکہ معاف کر دیا۔

صحیح مسلم میں روایت ہے ایک زخمی شخص اپنا مقدمہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے فرمایا ''قصاص قصاص'' تو حضرت ام ربیعؓ جو آپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہنے لگیں۔

> **یارسول الله ایقتص من فلانة و اللّٰه لا یقتص منها فقال النبی صلی الله علیه وسلم سبحان الله یا ام الربیع القصاص کتاب الله قالت لا و الله لا یقتص منها ابدا۔(۳۹)**
>
> یارسول اللہ کیا وہ فلاں عورت سے قصاص لے گا خدا کی قسم وہ اس سے قصاص نہیں لے گا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ اے ام الربیع! قصاص! قصاص اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ہے۔ پھر ام الربیع نے کہا خدا کی قسم وہ کبھی بھی اس سے قصاص نہیں لے گا۔

کچھ دیر نہ گذری کہ اس زخمی کے وارثوں نے دیت قبول کرنے کو کہا یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

> **''انّ من عباد الله من لو اقسم علی الله لا بره''**
>
> اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں کہ وہ جب کسی چیز پر اللہ کی قسم اٹھا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کرتا ہے۔

☆ خیارعیب: خرید کردہ چیز کو کسی عیب نکلنے کی وجہ سے واپس کرنے کا اختیار رکھنا ☆

اس حدیث سے اگر چہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام ربیع عدالت نبوی کے فیصلے پر اس طرح اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں کہ آپ قصاص کا فیصلہ کر رہے ہیں اور وہ کہتی ہیں کہ فریق مقدمہ قصاص نہیں لے گا۔

بظاہر اس بیان سے توہین عدالت کا اظہار ہوتا ہے لیکن چونکہ اس میں ان کی یہ نیت نہ تھی اس لیے آپ نے اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا اس کی تعریف کی۔

امام مسلم (م ۲۶۱ھ) نے ''الجامع الصحیح'' میں ایک روایت نقل کی ہے جسے ابن طلاع (م ۴۹۷ء) نے اپنی کتاب ''اقضیۃ رسول'' میں بھی بیان کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک چمڑے میں سونا بھیجا جو کیکر کی چھال میں رنگا ہوا تھا اور مٹی سے جدا نہیں ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے اس سونے کو چار آدمیوں (عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید الخیل اور علقمہ بن علاثہ یا عامر بن طفیل) میں تقسیم کیا تو آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا ہم اس کے زیادہ حقدار تھے۔ ان لوگوں کی یہ بات آپ ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا تم مجھے امانتدار نہیں جانتے؟ حالانکہ میں اس کی طرف سے امین ہوں جو آسمانوں پر ہے اور صبح و شام آسمانوں سے خبر آتی ہے۔

اس کے بعد پھر ایک شخص کھڑا ہوا جس کی دونوں آنکھیں گھڑے میں گھسی ہوئی تھیں۔ دونوں گال پھولے ہوئے تھے پیشانی ابھری ہوئی تھی سر منڈا ہوا تھا اور کہنے لگا۔

''یارسول الله اتق الله'' یارسول اللہ اللہ سے ڈریے (بروایت دیگر اس نے کہا یارسول اللہ عدل کیجئے) آپ نے فرمایا افسوس تجھ پر کیا زمین پر میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا (عادل) نہیں ہوں۔

پھر وہ شخص چلا گیا اسی دوران حضرت خالد بن ولیدؓ (ایک روایت میں حضرت عمر فاروقؓ) نے عرض کی ''یارسول الله الا اضرب عنقه'' (۴۰) یارسول اللہ میں اس کی گردن نہ اتار دوں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں شاید یہ نماز پڑھتا ہو۔ یہ سن کر خالد بن ولیدؓ نے کہا بہت سے نمازی ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی زبان سے وہ باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا مجھے کسی کا دل چیر کر دیکھنے کا حکم نہیں دیا گیا پھر آپ نے اس کی طرف دیکھا اور وہ پیٹھ موڑے جا رہا تھا۔

☆ خیار رؤیت: بغیر دیکھے کوئی چیز کر دیکھنے کے وقت واپس کرنے کا اختیار رکھنا ☆

اس حدیث سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔

اول: اگر کسی فریق کو قاضی کے کسی فیصلے پر شک ہو اور وہ فریق اس شک کا اظہار کرے تو قاضی فوراً اسے توہین عدالت کی سزا نہ دے بلکہ اس کا شک دور کرے۔

دوم: توہین عدالت کے متعلق قاضی کو صوابدیدی اختیار ہے چاہے مجرم کو سزا دے یا اسے معاف کرے۔

آثار صحابہ:

خلفائے راشدین کے دور میں توہین عدالت کی کوئی ایسی مثال تو نہیں ملی البتہ حضرت عمر فاروقؓ نے عدالتی نظام کو مضبوط کرنے کے لیے کئی ایسے اقدامات کئے جن سے بالواسطہ طور پر توہین عدالت سے روکا گیا ان میں سے ایک اقدام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے ازالۃ الخفاء میں نقل کیا ہے۔

آپ نے مرکزی عدلیہ کے استحکام کے بعد صوبائی دارالحکومتوں میں بھی صوبائی ججوں کا ایسے ہی تقرر کیا یہ صوبائی جج خودمختار تھے اور صوبائی گورنروں کی بجائے براہ راست مرکزی عدلیہ کے تحت فرائض سرانجام دیتے تھے۔

آپ کے عہد خلافت میں بعض علاقوں میں انصاف کرنے کے متعلق کچھ بے ترتیبی اس طرح ظاہر ہوئی کہ بزرگ اصحاب رسول جو ان مقامات پر سرکاری کام یا ذاتی حیثیت سے گئے ہوئے تھے ان سے بھی مقامی لوگ اپنے تنازعات کے مقدمات میں مشورہ لیتے۔ اس طرح یہ لوگ بھی ضمنی طور پر قاضیوں کی طرح کام کرنے لگے جن کو حکومت نے بطور قاضی مقرر نہیں کیا تھا۔ مزید یہ کہ یہ لوگ سرکاری طور پر مقرر شدہ قاضیوں سے متضاد فیصلے صادر کرتے۔

حضرت عمر فاروقؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے ایک حکم نامہ جاری کر کے ان کو اس اقدام سے منع کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی ان معاملات میں فیصلہ کرنے سے باز کر دیا گیا۔ (۴۱)

چونکہ ایسا کرنے سے سرکاری عدالتوں کی بالواسطہ طور پر توہین ہوتی تھی لہٰذا اس اہانت کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو فیصلے صادر کرنے سے منع فرما دیا۔

☆شیخین: فقہ میں شیخین سے مراد امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف ہیں (رحمہما اللہ تعالیٰ) ☆

توہین عدالت اور فقہی مکاتب فکر

قرآن پاک اور احادیث رسول ﷺ کے علاوہ مختلف ائمہ فقہاء نے بھی اس مسئلہ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے لہٰذا توہین عدالت کے متعلق چاروں فقہی مکاتب فکر کا نقطہ نظر پیش کیا جاتا ہے جس سے اسلام میں توہین عدالت کی شرعی حیثیت کی مزید وضاحت ہوگی۔

حنفی نقطۂ نظر

حنفی کتب فقہ میں آداب قضاء کے مختلف پہلوؤں کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے جن میں منصب قضاء کے مقام اور آداب کا ذکر بھی خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند آداب وہ ہیں جن میں عدالت کی اہانت کا سدباب کیا گیا ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

”تقف اعوان القاضی بین یدی القاضی لیکون اهیب فی اعین الناس“۔(۴۲)

عدالت میں قاضی کے پیادے اس کے روبرو حاضر رہیں تاکہ لوگوں میں ہیبت ہو یعنی لوگ قاضی اور عدالت کی اہانت نہ کرسکیں۔

اذا جلس القاضی لفصل خصومات ینبغی ان یقوم بین یدیه رجل یمنع الناس عن التقدم بین یدیه فی غیر و قتهم ویمنعهم عن اساء ة الادب۔(۴۳)

جب قاضی مقدمات کے فیصلے کے لیے بیٹھے تو ایک آدمی کو اس کے سامنے کھڑا ہونا چاہئے تاکہ وہ لوگوں کو بے وقت آگے بڑھنے اور بے ادبی کرنے سے منع کرے۔

ابن شحنہ (م۸۸۲ھ) نے لسان الحکام میں لکھا ہے۔

ینبغی ان ینصب انسانا حتی یقعد الناس بین یدی القاضی ویقیمهم ویقعد الشهود و یقیمهم ویز جرمن اساء الادب

☆ صاحبین: فقہ میں صاحبین سے مراد امام ابو یوسف وامام محمد ہیں۔ (رحمہما اللہ تعالیٰ) ☆

ویسمی صاحب المجلس والجلواذ۔(۴۴)

مناسب ہے کہ قاضی کسی ایسے شخص کا تقرر کرے جو لوگوں کو قاضی کے سامنے پیش کرے ان کو مناسب جگہ پر بٹھائے گواہوں کو پیش کرے اور ان کو مناسب جگہ پر بٹھائے اگر کوئی شخص بے ادبی کرے تو اس کو جھڑک دے اس شخص کو صاحب المجلس یا مددگار عدالت کہا جاتا ہے۔

ان آداب سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ عدالت میں ایسے افراد کا تقرر ضروری ہے جو قاضی کی عزت اور وقار کو قائم رکھیں اور اس کی توہین نہ ہونے دیں۔

ان آداب کے علاوہ فقہاء نے قاضیوں کو ایسی حرکات کرنے سے منع کیا ہے جو منصب قضاء کی اہانت کا سبب بن سکیں۔

ماوردی (م۴۵۰ھ) نے ادب القاضی میں لکھا ہے:

واما حضور هم فی مجلس الحکم فعليه و عليهم من التحفظ و الا نقا بض فيه اکثر مما عليهم فی غيره۔(۴۵)

قاضی اور گواہوں کو عام مجلس سے کہیں زیادہ سنجیدگی، تحفظ واحتیاط اور تکلف کی روش اختیار کرنی چاہیے۔

اس طرح مجلّہ احکام العدلیہ میں ہے۔

يجتنب الحاکم الافعال والحرکات التی تزيل مهابته المجلس کالبيع والشراء والملاطفة فی المجلس۔(۴۶)

حاکم (قاضی) کے لیے لازم ہے کہ وہ ایسے افعال وحرکات سے اجتناب کرے جن کی وجہ سے عدالت کا رعب جاتا رہے جیسے خرید وفروخت اور مذاق وتفریح وغیرہ۔

اسی طرح فقہاء نے قاضی کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ اگر کوئی شخص عدالت کی توہین کرتا ہے تو قاضی صوابدیدی اختیارات کے پیش نظر اسے سزا دے سکتا ہے۔ معین الحکام میں ہے۔

اذا شتم احد الخصمين صاحبه زجره فاذا اسرع اليه بغير حجته مثل قوله له يا ظالم يا فاجر و نحو ذلک زجره عنه و يضرب فی

☆ طرفین: فقہ میں طرفین سے مراد امام ابوحنیفہ وامام محمد ہیں۔ (رحمہما اللہ تعالیٰ) ☆

مثل هذا الا ان یکون ظنه من ذی مرؤة فینهاه۔(۴۷)

اگر ایک فریق دوسرے کو جھڑکے یا نامناسب الفاظ استعمال کرے دعویٰ اور جواب دعویٰ سے علیحدہ ہوکر ظالم یا فاجر کہے تو ایسی صورت میں قاضی اس فریق کو زجر وتوبیخ کرسکتا ہے اور مناسب حال سزا دے سکتا ہے۔

علامہ طرابلسی (م۸۴۴ھ) نے مزید لکھا ہے:

اگر کوئی فریق قاضی کو برا بھلا کہے یا یہ کہے کہ تم نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور قاضی کو تکلیف دینے کا ارادہ ہو تو قاضی اسے تعزیری سزا دے سکتا ہے۔(۴۸)

اسی طرح اگر کوئی فریق کسی بے ادبی کا مرتکب ہو یا بے جا حملہ کرے تو بھی قاضی اسے ڈانٹ سکتا ہے۔(۴۹)

اگر کوئی فریق کسی گواہ کو برا بھلا کہے اور اسے جھوٹا بنائے تو قاضی کو چاہیے کہ گواہ کی حیثیت اور اس فریق کی حالت کے پیش نظر اسے سزا دے سکتا ہے۔(۵۰)

قاضی کو چاہیے کہ شہادت کے وقت فریقین کو خاموش رہنے کی ہدایت کرے اگر کوئی فریق اس کے حکم کی خلاف ورزی کرے اور دوران سماعت یا دوران جرح ایسی گفتگو کرے جس سے گواہ اپنا بیان نہ دے سکے تو قاضی اس کی تادیب کرے۔(۵۱)

علامہ طرابلسی نے قاضی کے سامنے بلند آواز سے بولنا بھی توہین عدالت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ مجلس قضا میں قاضی کے سامنے آواز بلند نہ کی جائے۔(۵۲)

نیز مجلس قضاء میں غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کیا جائے۔(۵۳)

یہ تمام حوالہ جات اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ فقہ حنفی میں توہین عدالت کا تصور موجود ہے اور جو شخص بھی قاضی کو ظالم یا جابر کہے، فریقین عدالت میں ایک دوسرے سے جھگڑیں یا فریقین قاضی کی طرف سے جاری کردہ حکم کو نہ مانے، عدالتی کاروائی میں رکاوٹ ڈالیں تو قاضی انہیں فوراً توہین عدالت کی سزا دے سکتا ہے۔

ان حوالہ جات سے توہین عدالت کے متعلق حنفی نقطہ نظر کی کافی حد تک وضاحت ہوگئی ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متعلق حسن ابراہیم حسن نے جرجی زیدان کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس سے توہین عدالت سے متعلق حنفی نقطہ نظر کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ وہ

روایت یہ ہے۔

حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ سے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے منصب قضاء قبول کرنے کی استدعا کی تو آپ نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"واللّٰہ ما انا مامون الرضی فیکف اکون مامون الغضب"

مجھے اپنے اوپر پورا اعتماد نہیں کہ اس منصب پر بیٹھ کر میں آپ کی مرضی اور خواہشات کا لحاظ رکھ سکوں، خدا کی قسم میں آپ سے حالت رضا میں مامون ومحفوظ نہیں، حالت غضب میں کس طرح مامون رہوں گا۔

اس واقعہ کے بعد امام ابو حنیفہ اور منصور کے ایک قاضی محمد بن عبدالرحمٰن (۵۴) ابن ابی لیلی کے درمیان کچھ کشیدگی پیدا ہوگئی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ امام ابو حنیفہؒ کم عمر ہونے کے باوجود ان کے فیصلوں پر نکتہ چینی کرتے۔ ابن عبدالرحمٰن نے اس بات کی شکایت خلیفہ منصور سے کی منصور نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ جس بنا پر آپ رک گئے۔ (۵۵)

اس روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ قاضی کے فیصلے پر کسی دوسرے شخص کی نکتہ چینی کرنا توہین عدالت کے مترادف ہے۔ (یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے حضرت عمر فاروقؓ نے ان لوگوں کو فیصلے کرنے سے منع کر دیا تھا جو حکومت کے مقرر کردہ نہ تھے جس کا ذکر اس سے قبل کیا گیا ہے۔) اسی بنا پر حضرت امام اعظمؒ کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا اور آپ اس سے رک بھی گئے۔

گذشتہ حوالہ جات اور امام ابو حنیفہؒ کے اس عمل سے توہین عدالت کے متعلق حنفی نقطہ نظر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ فقہ حنفی میں کوئی ایسا کام جو قاضی اور منصب قضا کے وقار کے خلاف ہو یا ان کی طرف سے جاری کردہ کسی حکم کی عدولی ہو تو وہ توہین عدالت قرار پائے گا اور قاضی اس کی تعزیری سزا دینے کا مجاز ہے۔

حنبلی نقطۂ نظر

توہین عدالت کے متعلق حنبلی نقطۂ نظر یہ ہے۔ اگر کسی مقدمہ کا کوئی فریق کسی معاملے میں کوئی مشکلات پیدا کرے تو قاضی اسے جھڑک سکتا ہے سزا دے سکتا ہے اور معاف بھی کر سکتا ہے۔

☆ اصول فقہ وہ علم ہے جس میں احکام کے لئے ثبوت ودلائل سے بحث کی جائے۔ ☆

مغنی ابن قدامہ میں ہے۔

....ان يقول حكمت على بغير الحق او ارتشيت فله تاديبه وله ان يعفو وان بدأ المنكر باليمين قطعها عليه وقال البينة على خصمك فان عاد عزره و ان راى و امثال ذلك مما فيه اساءة الادب فله مقابلته فاعله وله العفو۔(۵۶)

اسی طرح اگر کوئی شخص قاضی سے کوئی بدتمیزی کرے مثلاً یہ کہے کہ تم نے میرے خلاف جو فیصلہ دیا ہے وہ مبنی برحق یا مبنی برانصاف نہیں یا تم نے رشوت لی ہے تو قاضی اس شخص کو سزا بھی دے سکتا ہے اور معاف بھی کرسکتا ہے اگر مدعی کے بیان سے قبل مدعا علیہ از خود ہی قسم اٹھانے لگے تو قاضی اس کو روک دے اور اس سے کہے کہ بار ثبوت تمہارے مخالف کے ذمہ ہے۔ لیکن اگر وہ مدعا علیہ منع کرنے کے باوجود قسم اٹھانے کی کوشش کرے تو قاضی اسے جھڑک دے وہ اس پر بھی نہ مانے تو اس کو مناسب سزا دے۔ اسی طرح وہ ہر حرکت جس میں بدتمیزی یا عدالت کے ادب واحترام کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو فاعل کو اس کی حرکت کی مناسبت سے کوئی بھی سزا دی جاسکتی ہے اور معاف بھی کیا جاسکتا ہے۔

شافعی نقطۂ نظر

امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) نے فرمایا ہے۔

اذا اختصمه الرجلان الى القاضى فبان له من احد الخصمين اللدد ونهاه عنه فان عاد زجره ولا يبلغ ان يحبسه ولا يضر به الا ان يكون فى ذلك ما يستوجب ضربا او حبسا۔(۵۷)

یعنی جب قاضی کی عدالت میں دو آدمی جھگڑا کریں اور ان میں ایک جھگڑالو ہو تو اس کو ایسا کرنے سے منع کیا جائے اگر وہ باز نہ آئے تو اس کو زجر و توبیخ کی جائے اور جرم کی نوعیت کے مطابق مجرم کو قید اور ضرب (مارنا) کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

اسی طرح المہذب میں ہے:

☆علم اصول فقہ کی غرض یہ ہے کہ شریعت کے احکام فرعیہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جانا جائے☆

.....و ان ظهر من احدهما لدد او سوء ادب نهاه فان عاد زجره و ان عاد عزره۔(۵۸)

اگر فریقین میں سے کوئی ایک جھگڑالو ہو یا عدالت کے وقار کے خلاف کوئی کام کرے تو قاضی اسے منع کرے اگر وہ باز نہ آئے تو اسے جھڑکا جائے اگر پھر کسی ایسے فعل کا مرتکب ہو تو پھر قاضی اسے تعزیری سزا دے۔

یہ دونوں حوالہ جات یہ واضح کرتے ہیں کہ توہین عدالت میں شافعی نقطۂ نظر حنفی نقطۂ نظر ہی کی طرح ہے۔

مالکی نقطۂ نظر

توہین عدالت کے متعلق امام سحنون سے امام مالک کا یہ قول پوچھا گیا:

هل سمعت مالكا يقول يضرب القاضي الخصمه على اللدد نعم يضرب اذا تبين له انه قدا لد۔(۵۹)

کیا آپ نے حضرت امام مالک سے جھگڑالو فریق کو مارنے کے متعلق سنا ہے تو انہوں نے کہا ہاں کسی فریق کے جھگڑالو ظاہر ہونے پر قاضی اسے مار سکتا ہے۔

اسی طرح علامہ سید احمد الدردیر (م ۱۲۳۰ھ) نے الشرح الکبیر میں لکھا ہے:

.....ظلمتني و كذبت علي و ان كان لا يودبه اذا قالهما للخصم لشاهد و اما اذا قال يا ظالم او يا كاذب فانه يودبه مطلقا قال ذلك للقاضي۔(۶۰)

اگر کسی فریق نے گواہ یا قاضی کو کہا اے ظالم، یا تم نے مجھ پر ظلم کیا، تم نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے تو اس کے خلاف تادیبی کاروائی کرنی چاہیے۔

الشرح الصغیر میں بھی ہے۔

جو شخص قاضی سے بدگوئی کرے تو اس کی مناسب تادیب کی جائے اگر کوئی شخص مجلس عدالت میں قاضی کے فیصلے کو برا کہے یا قصداً یہ کہے کہ آپ کا یہ فیصلہ غلط ہے، یا آپ ناحق فیصلے

کرتے ہیں یا آپ رشوت لیتے ہیں یا یہ کہے کہ اگر میں بڑا آدمی ہوتا تو آپ کو روپیہ دیتا تو آپ میرے حق میں فیصلہ دیتے یا میری گواہی قبول کر لیتے یا ایسی ہی کوئی اور بات کہے۔

ان تمام صورتوں میں اس شخص کی مناسب تادیب کی جاسکتی ہے۔ نیز ان صورتوں میں مجلس عدالت میں قاضی کے متعلق مختلف کلمات کہنے کی اس لیے شرط لگائی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی قاضی کے سامنے اس کی عدالت میں ایسا نہ کہے بلکہ باہر کچھ کہے تو پھر اس کو قاضی خود کوئی سزا نہ دے بلکہ وہ معاملہ کسی اعلیٰ عدالت میں بھیج دے تاہم بہتر یہ ہے کہ معاف کر دے۔(۶۱)

ان چاروں فقہی مذاہب کے نقطۂ نظر سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ توہین عدالت وہ مسئلہ ہے جس پر تمام فقہی ائمہ کا اجماع ہے اور کسی کو بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں۔

اس کے علاوہ اسلام میں منصب عدالت وہ معزز منصب ہے جس پر بیٹھ کر قاضی کو حاکم وقت جب فریق مقدمہ کی حیثیت سے آئے کے ساتھ برابر سلوک کرنے کا حکم ہے ایسا نہ کرنا منصب عدالت کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کسی معاملے میں فریقین کے طور پر حضرت زید بن ثابتؓ کی عدالت میں پیش ہوئے تو حضرت زیدؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے لیے تکیہ لگا دیا جسے دیکھ کر آپ نے فرمایا:

"ھذا اول جورک" (۶۲) یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، پھر آپ حضرت زید بن ثابتؓ کے سامنے بیٹھ گئے۔ اسی طرح کی ایک روایت ابو جعفر منصور کے متعلق ہے ایک بار خلیفہ منصور مدینہ منورہ آیا ہوا تھا۔ اس وقت وہاں کے قاضی محمد بن عمران الطلحی کے پاس چند اونٹ والوں نے اپنے حق میں منصور کیخلاف ایک مقدمہ دائر کیا۔ تو محرر نے کہا:

"امرنی ان اکتب الیہ بالحضور و انصافھم فاستعفیت فلم یعفنی فکتبت الکتاب ثم ختمتہ"

قاضی نے مجھے حکم دیا کہ میں خلیفہ کو عدالت میں حاضر ہو کر اونٹ والوں کا حق ادا کرنے کے متعلق لکھوں میں نے ایسا کرنے سے معذرت چاہی مگر قاضی نے میرے عذر کو قبول نہ کیا میں نے منصور کے نام سمن لکھ کر مہر لگائی۔ اس کے بعد قاضی نے مجھے یہ حکم دیا کہ تم اس سمن کو لے کر خود خلیفہ کے پاس جاؤ میں یہ حکمنامہ لے کر ربیع حاجب منصور کے پاس گیا۔

☆خاص وہ لفظ ہے جو کسی معلوم معنیٰ یا معلوم مسمّیٰ کے لئے انفرادی طور پر وضع کیا گیا ہو☆

ربیع نے خلیفہ منصور کے پاس جاکر اس واقعہ کی اطلاع دی جب ربیع خلیفہ کے پاس سے واپس آیا تو اس نے حاضرین کو خطاب کر کے کہا۔

امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ قاضی کی عدالت میں طلب کیا گیا ہوں میرے ساتھ وہاں کوئی نہ جائے چنانچہ یہ دونوں قاضی محمد بن عمران کی عدالت میں حاضر ہوئے تو قاضی نے خلیفہ کی آمد پر کسی کا بھی استقبال نہیں کیا بلکہ یہاں تک کہ وہاں منصور کی چادر ڈھلک کر گر پڑی تو اسے بھی خود منصور نے ہی اٹھایا۔

پھر قاضی نے مدعیوں کو بلا کر حکم دیا کہ وہ اپنے حق کو ثابت کرنے کے لیے دلائل اور شہادت پیش کریں چنانچہ ان کے دلائل سن کر قاضی نے اونٹ والوں کے حق میں اور خلیفہ کے خلاف فیصلہ سنا دیا۔

جب قاضی مقدمہ سے فارغ ہوگیا تو خلیفہ منصور نے کہا اے قاضی اللہ تعالیٰ تمہیں اس دینداری پر بہترین بدلہ دے میں نے تمہارے لیے دس ہزار دینار کا حکم دیا ہے۔(۶۳)

یہ دونوں واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اسلام میں جب یہ منصب اتنا اہم اور ذی وقار ہے تو پھر اس منصب کے تحفظ کے لیے اور اس کے وقار کو قائم رکھنے کے لیے توہین عدالت کی سزا کیوں ضروری نہیں۔

لہٰذا کسی بھی اسلامی حکومت کی طرف سے توہین عدالت کی سزا مقرر کرنا ان شرعی اصولوں کے عین مطابق ہے۔

توہین عدالت اور مروجہ قانون

قیام پاکستان سے قبل ۸ مارچ ۱۹۲۶ء کو ایک نامزد کمیٹی نے توہین عدالت ایکٹ تیار کیا جسے توہین عدالت ایکٹ ۱۹۲۶ء کہا جاتا تھا۔ اس ایکٹ کو اس وقت کی مرکزی حکومت کی طرف سے جاری کردہ نوٹیفکیشن کے بعد یکم مئی ۱۹۲۶ء کو ہندوستان میں نافذ کر دیا گیا۔(۶۴)

قیام پاکستان کے بعد اسی ایکٹ کو پورے پاکستان میں بھی نافذ کر دیا۔

It extended to the whole of Pakistan.(65)

۱۹۷۶ء تک یہ ایکٹ اسی طرح نافذ رہا اس کے بعد ۳۰ نومبر ۱۹۷۶ء کو گزٹ نوٹیفکیشن

☆ عام وہ لفظ ہوتا ہے جو افراد کی ایک جماعت کو لفظاً یا معناً شامل ہو۔☆

کے ذریعہ ایک نیا Contempt of Court Act پورے پاکستان میں نافذ کر دیا گیا جو تا حال نافذ العمل ہے اور اسے توہین عدالت ایکٹ ۱۹۷۶ء کہا جاتا ہے۔

اس ایکٹ کی دفعہ ۳ میں توہین عدالت کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

جو کوئی کسی عدالتی حکم یا طریق کار جسے وہ قانوناً کرنے کا پابند ہو کی نافرمانی کرے یا توہین کرے یا وہ عدالت کو دیے گئے جائز عہد کو جان بوجھ کر توڑے یا کوئی ایسا حکم دے جس کا مقصد یا رجحان عدالت کی حیثیت یا قانون کی عملداری کی توہین یا بدنامی یا مداخلت یا رکاوٹ یا قانونی طریق کار کو یا حصول انصاف کے عمومی عمل کو نقصان پہنچانا یا عدالت کی حیثیت کو کم کرنا یا کسی جج کو اس کے عہدے کے حوالے سے بدنام کرنا یا عدالت کے احترام اور لوازمات کو درہم برہم کرنا شامل ہو تو وہ توہین عدالت کا ارتکاب کہلاتا ہے۔

اس تعریف میں مندرجہ ذیل دس مستثنیات ہیں۔

۱۔ شائستہ زبان میں عوام الناس کے مفاد کے تحت کسی عمومی عدالتی کاروائی پر بے لاگ اور نیک نیتی سے منصفانہ تبصرہ کرنا۔

۲۔ کسی جج کی دیانتداری اور غیر جانبداری کو ہدف تنقید بنائے بغیر شائستہ زبان سے نیک نیتی کیساتھ کسی عدالتی فیصلے پر اس کی خوبیوں اور خامیوں پر بے لاگ تبصرہ۔

۳۔ نشر و اشاعت ایکٹ کی دفعہ ۹ میں مندرج ممنوعات کے ماسوا وقتی طور پر کسی عدالتی کاروائی کی صحیح، درست، ٹھوس اور غیر جانبدارانہ اشاعت۔

۴۔ کسی معاملے کا کسی عدالتی کاروائی میں زیر سماعت اور التوا میں ہونے کی قوی امید اور شہادت کے بغیر کسی شخص کا اس معاملے پر بے لاگ تبصرہ اور اس کی اشاعت۔

۵۔ ایسے مواد کی بغیر اطلاع و ثبوت کے اشاعت و تقسیم جو کسی عدالت میں زیر سماعت ہو۔

۶۔ شائستہ زبان میں کسی جج کے خلاف کسی انتظامی اور عدالتی کاروائی کے دوران نیک نیتی کے ساتھ کسی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس یا جوڈیشل کونسل یا وفاقی حکومت یا صوبائی حکومت کے سامنے حقائق پر مبنی دلائل پیش کرنا۔

۷۔ مندرجہ بالا شق ۶ کے تحت توہین عدالت کی کسی کاروائی کے دوران مبنی بر صداقت و حقیقت موقف کا اختیار کرنا بشرطیکہ وہ موقف غلط ثابت نہ ہو۔

☆ قرآن پاک کے خاص پر عمل قطعی طور پر واجب ہوتا ہے ☆

۸۔ عدالتی دائرہ اختیار کے اندر کسی جج کے خلاف کسی عدالت کا کوئی مقدمہ، اپیل، یا نظرثانی کی درخواست کو اس عدالت کی منتقلی اور اس اعلیٰ عدالت کے مشاہدات و آراء۔

۹۔ انتظامی دائرہ اختیار کے اندر کسی صاحب اختیار کا سرکاری حقیقت پر مشتمل انکوائری یا معائنہ یا کریکٹر رول کے اندر تحریر کردہ خفیہ رپورٹ۔

۱۰۔ عدالتی وظائف اور کارگردگی سے ماوراء کسی جج کے رویہ اور طرز عمل کے بارے نیک نیتی کے ساتھ مبنی برصداقت بیان۔(۶۶)

توہین عدالت کا ذکر مجموعہ ضابطہ فوجداری کی بعض دفعات میں بھی ہے جنہیں توہین عدالت ایکٹ کی بنیاد کہا جا سکتا ہے۔

چنانچہ دفعہ ۴۸۰ میں ہے۔

اگر کوئی شخص ایسا جرم جس کا تذکرہ تعزیرات (۶۷) پاکستان کی دفعہ ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰ اور ۲۲۸ میں کیا گیا ہے کسی عدالت دیوانی، فوجداری یا مالی کے روبرو یا اس کی موجودگی میں سرزد ہو تو عدالت مجرم کو حراست میں بند کروا سکتی ہے اور وہ مجاز ہے کہ اسی دن عدالت برخاست ہونے سے پہلے اگر مناسب سمجھے تو مجرم کی گرفت کرے اور مجرم کو ایسی سزائے جرمانہ دے جو دو سو روپے سے زیادہ نہ ہو۔ اور بعدم ادائیگی جرمانہ ایسی قید محض سزا دے جس کی میعاد ایک ماہ تک ہو سکتی ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ میعاد مذکور کو گزرنے سے پہلے ایسا جرمانہ ادا کر دیا جائے۔

دفعہ ۴۸۱ض ف: کے مطابق، توہین عدالت کی کاروائی کا ریکارڈ برائے دفعہ ۴۸۱ مرتب کیا جانا ضروری ہے اس میں عدالت وہ واقعات لکھے گی جن سے جرم توہین عدالت کا اظہار ہوتا ہو ملزم کا بیان بھی لکھا جائے گا اور عدالت اپنا فیصلہ اور سزا بھی درج ریکارڈ کرے گی۔

دفعہ ۴۸۲ض ف: کے مطابق جب یہ مقدمہ کسی دوسری عدالت میں ہو تو وہ عدالت اس کی سماعت ایک استغاثہ کے طور پر کرے گی۔

دفعہ ۴۸۴ض ف: یہ ہے کہ جب کوئی ملزم عدالت سے معافی مانگ لے یا اس حکم کی تعمیل کرنے پر آمادہ ہو جائے جس کی تعمیل سے پہلے اس نے انکار کیا ہو تو مقدمہ اٹھانے والی عدالت یا وہ عدالت جس کے پاس ایسا مقدمہ بھیجا گیا ہو ملزم کو سزا سے پہلے یا بعد میں معافی دے کر رہا کر سکتی ہے۔(۶۸)

☆عام کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ عام مخصوص البعض۔ ۲۔ عام غیر مخصوص البعض۔☆

ان تمام دفعات سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ مروجہ قانون میں بھی توہین عدالت کو جرم اس لیے قرار دیا گیا ہے تاکہ جج اور عدالت کے وقار اور نظم ونسق کو برقرار رکھا جا سکے۔
سپریم کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں توہین عدالت کی دفعات کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۲۸ اس لیے کہ وضع کی گئی ہے عدالت کے منصب اور وقار کو قائم رکھنا قانون کا اولین اصول ہے دفعہ ہذا ان صورتوں تک محدود ہے جب سرکاری ملازم عدالتی کاروائی میں مصروف ہو نیز دفعہ ۴۸۰ ض ف کے مطابق توہین عدالت کی سزا دینے کے اختیارات کا استعمال سوائے عدالت کے کوئی اور شخص زیر کار نہیں لا سکتا ہے۔

قانون توہین عدالت کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے لاہور ہائی کورٹ نے بھی اپنے ایک فیصلے میں لکھا ہے:

"That demonstrates a gross want of that regard and respoect which when once Courts of justice are deprived of their authority so necessary for the good order of Kingdom, is entirely lost among the people" (69)

قانون توہین عدالت کا وقار اور بھرم رکھنے کے لیے ضروری ہے کیونکہ اگر عدالت کو اس وقار اور اختیار سے عاری کر دیا جائے تو عوام الناس میں اس کی توقیر اور اہمیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

لاہور ہائی کورٹ نے ہی اپنے ایک اور فیصلے میں لکھا ہے:

توہین عدالت کی سزا کا مقصد عام فہم اور واضح ہے یہ جج کی ذاتی توقیر اور قدر ومنزلت کے لیے نہیں بلکہ عدل وانصاف کے نفاذ کے لیے ہے جو سب سے ارفع وبالا ہے توہین عدالت کے مرتکب شخص کو سزا اس لیے دی جاتی ہے تاکہ ہر شخص خواہ وہ اعلی ہو یا ادنیٰ کو یہ باور کرایا جا سکے کہ انہیں کسی حیل وحجت اور استثناء کے بغیر قانون کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے اور قانون کی توقیر ان پر لازم ہے۔(۷۰)

اسی قانون کے قواعد کے ضمن میں ملک محمد دین نے رہنمائے وکالت میں لکھا ہے۔توہین عدالت کے قانون کی وضاحت تو مجموعہ ضابطۂ فوجداری کی دفعات میں ہے۔لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے کہ اگر ایک عدالتی افسر کو اپنی توہین کرنے والے شخص کو فوری طور پر گرفتار کرنے کا اختیار نہ دیا جاتا تو اس عدالتی افسر کے لیے عدالت کا احترام اور عدالتی کاروائی میں نظم وضبط برقرار رکھنا بہت

☆مطلق کیا ہے؟ مطلق وہ ہے جس میں محض ذات کا اعتبار کیا جائے کوئی صفت ملحوظ نہ ہو☆

مشکل ہو جاتا۔

پھر مزید لکھا ہے:

عدالتوں کو اپنی کاروائی میں مداخلت کرنے والے یا رکاوٹ ڈالنے والے اشخاص یا عدالتی کاروائی کے نظم وضبط میں خلل اندازی کرنے والے لوگوں کے خلاف فوری طور پر ان کو گرفتار کرنے کے جو اختیارات دیے گئے ہیں وہ انتہائی ضروری ہیں عدالتوں کے وقار کو قائم رکھنا عوام اور حکومت دونوں کا انتہائی مقدس فرض ہے اور اسی لیے ہر عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ توہین عدالت کے مرتکب شخص کو فوراً گرفتار کرے اور خود ہی مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۴۸۰ اور ۴۸۵ کے مطابق سزا دے۔(۷۱)

اس مقصد کے حصول کے لیے توہین عدالت کے مقدمہ میں عام عدالتی اصول سے ہٹ کر ایک الگ اصول وضع کیا گیا ہے۔ عام عدالتی اصول ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۵۵۶ میں یہ ہے کہ:

"کوئی عدالت خود اپنے معاملے میں بیک وقت مدعی اور جج نہیں بن سکتی اور نہ ہی اپنے فیصلے کے خلاف خود اپیل سن سکتی ہے۔"

لہٰذا کوئی عدالت بھی یہ پسند نہیں کرتی کہ اس مقدمے کا فیصلہ کرے جس میں وہ خود ایک فریق کی حیثیت رکھتی ہو۔ جب بھی کسی جج یا مجسٹریٹ پر جانبداری یا فریق مقدمہ سے تعلق داری کا گمان موجود ہو تو ہائی کورٹ یا سیشن کورٹ زیر دفعہ ۵۲۶ یا ۵۲۸ کے مطابق مقدمہ دوسری عدالت میں تبدیل کر سکتی ہے۔

توہین عدالت کے مقدمات میں اس بنیادی اصول سے انحراف کر کے ہائی کورٹ کے جج کو خود اپنی توہین کرنے کے خلاف کاروائی توہین عدالت کر کے سزا دینے کا اختیار دیا گیا ہے۔(۷۲)

اسی طرح دفعہ ۴۸۰ اور ۴۸۵ ض ف کے مطابق ہر اس عدالت کو جس کی توہین ہوئی ہو خود ہی مقدمہ بنانے اور خود ہی سزا دینے کا اختیار دیا گیا ہے۔

توہین عدالت کے قوانین اتنے بامقصد ہونے کے باوجود بعض لوگ اس قانون کو خلاف انصاف قرار دیتے ہیں۔

منشی عبدالرحمٰن نے لکھا ہے کہ چونکہ اس مقدمہ میں مدعی خود ہی منصف ہوتا ہے اور ارتکاب جرم اور فیصلہ سنانے میں اتنا وقفہ نہیں ہوتا کہ مدعی کے متلاطم اور برافروختہ جذبات ٹھنڈے ہو سکیں اس

☆ مقید کیا ہے؟ مقید وہ ہے جس میں ذات کے ساتھ صفت کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے ☆

لیے وہ مدعی غصہ میں آ کر جذبات سے مغلوب ہوکر فیصلہ سنانے میں بسا اوقات عدل وانصاف کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اور اس بات کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے کہ اس کی تجویز کردہ سزا سے انصاف کے تقاضوں کا خون ہوگا یا عدلیہ کے وقار پر حرف آئے گا یا عوام کا ضمیر مجروح ہوگا۔(۷۳)

اسی طرح معروف دانشور ڈاکٹر خالد علوی نے توہین عدالت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے۔

''یہ جو توہین عدالت کا غیر اسلامی تصور رائج ہے یہ انسان کو معصوم اور مافوق البشر ثابت کرنے کا ذریعہ ہے۔''(۷۴)

سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ جناب غلام مجدد مرزا نے اپنے ایک بیان کہا:

''میں توہین عدالت کے خلاف ہوں میری رائے میں ہر شخص کو عدالتی فیصلے پر تبصرہ کرنے کا اختیار ہونا چاہیے تاہم تبصرہ نیک نیتی پر مبنی ہونا چاہیے۔''(۷۵)

یہ بات انہوں نے ایک تقریب میں کہی مزید انہوں نے کہا کہ میں نے اپنی ۱۷ سالہ عدالتی زندگی میں کبھی بھی توہین عدالت کا ایک نوٹس بھی جاری نہیں کیا۔

خلاصہ بحث:

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ توہین عدالت کی سزا کا تصور شریعت اسلامیہ میں موجود ہے۔توہین عدالت کے قانون کا اصل مقصد جج اور عدالت کے مقام کا تحفظ اور وقار کو بحال کرنا ہے تاکہ یہ ادارہ اپنے فرائض درست طریقے سے سرانجام دے سکے۔توہین عدالت کے مقدمہ میں غیر معمولی حزم واحتیاط برتنی چاہیے تاکہ عدالتوں پر عوام کا اعتماد مکمل طور پر برقرار رہے۔

مارچ ۱۹۷۷ء میں توہین عدالت کی سزا کے خلاف سپریم کورٹ نے بھی اپنے فیصلے میں لکھا تھا۔

اگر عدالتوں کا احترام محض توہین کے قانون کی بنیاد پر قائم ہے تو یہ بنیاد ریت کی بنیاد ہے بہر حال عدالتوں پر عوام کا اعتماد برقرار رہنا چاہیے اور عدالتوں پر یہ احترام اعلیٰ بنیادوں پر ہونا چاہیے۔ جب ہم اپنا یہ اختیار سماعت استعمال کرتے ہیں تو ہم اپنے مقاصد کے بھی منصف خود ہوتے ہیں ہمیں کوئی ایسا اصول وضع نہیں کرنا چاہیے جو عوامی ضمیر پر بوجھ ہو ایسا کرنا اختیار سماعت کا

☆مشترک وہ لفظ ہے جو ایسے ایک یا زیادہ معنوں کے لئے وضع کیا گیا ہو جن کی حقیقتیں مختلف ہوں☆

مناسب استعمال نہیں ہوگا کیونکہ اس سے نظام عدل کے بارے عوام کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی۔(۷۶)

راقم الحروف کے نزدیک توہین عدالت کے مقدمہ کی نوعیت دو طرح کی ہوتی ہے۔

اول: ایک وہ نوعیت جس میں عدالت اور جج کے وقار کا مسئلہ ہو مجرم نے براہ راست عدالتی امور کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالی ہو یا جج کی توہین کی ہو یا آداب عدالت کی خلاف ورزی کی ہو۔

اس صورت میں اسی جج کو اس بات کا اختیار دینا درست ہے کہ وہ مجرم کو اسی وقت سزا دے۔

دوم: دوسری وہ نوعیت جس میں عدالتی فیصلے کے متعلق اظہار خیال کیا گیا ہو۔ اس صورت میں اگر کوئی جج اسے توہین عدالت قرار دے تو اس کے فیصلے کا اختیار کسی دوسرے جج کو ہونا چاہیے تاکہ اس عدالت میں آزادانہ طور پر متعلقہ فیصلہ پر تبصرہ کیا جاسکے۔

اس طرح ایک طرف عدالتیں فیصلے کرنے اور توہین عدالت قرار دینے میں محتاط ہوں گی اور دوسری طرف عوام کے سروں سے توہین عدالت کی تلوار کا خوف بھی کم ہو جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۴۰۰ھ، ج ۱۳، ص ۴۳۸۔

۲۔ فیروز آبادی، القاموس المحیط، مقام، ناشر سن اشاعت نامعلوم، ج ۴، ص ۲۷۸۔

۳۔ زبیدی، تاج العروس، المطبعۃ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ، ج ۹، ص ۳۶۸۔

۴۔ راغب اصفہانی، مفردات القرآن، نور محمد کتب خانہ، کراچی، (ت۔ن) ص ۵۴۷۔

۵۔ فرقان: ۶۳۔

۶۔ امام احمد، مسند، دار صادر، بیروت، (ت۔ن) ج ۱، ص ۴۱۵۔

۷۔ راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ص ۵۴۸۔

۸۔ انعام: ۹۳۔

۹۔ فصلت: ۱۷۔

۱۰۔ بقرہ: ۹۰۔

۱۱۔ حج: ۱۸۔

☆ جب غالب رائے کے ساتھ مشترک کے کسی معنیٰ کو ترجیح حاصل ہو جائے تو اس کو مؤول کہتے ہیں۔ ☆

۱۲۔ ابن الاثیر، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثیر، موسسۃ اسماعیلیان، ایران، ۱۳۶۴ھ، ج ۵، ص ۲۸۴۔

۱۳۔ طرابلسی علاؤ الدین، معین الحکام، مصطفیٰ البابی حلبی، مصر، ۱۹۹۳ء ص ۲۰۔

ابن قدامہ، المغنی، مکتبہ ریاض الحدیثۃ، الریاض، ۱۹۸۱ء، ج ۹، ص ۴۳۔

14- State V.Sir Edward Snelson, PLD 1961, Lahore, p.78, P.L.R., 1961 (1) p.p.539.

15- State V.Sir Edward Snelson, PDL 1961, Lahore, p.70.

16- The contempt of Court Act, 1976 Section-3, commentory by Zafar Hussain Ch. Lahore Law Time Publications, Lahore, 1962, p.2.

۱۷۔ تنزیل الرحمٰن، قانونی لغت، طبع چہارم مکتبہ خیابان، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۱۵۵۔

۱۸۔ ص: ۲۶۔

۱۹۔ سورۃ حدید: ۲۵۔

۲۰۔ سورۃ نساء: ۵۸۔

۲۱۔ سورۃ مائدہ: ۸۔

۲۲۔ سورۃ نحل: ۹۰۔

۲۳۔ امام نسائی، سنن نسائی، (کتاب آداب القضاۃ، باب فضل الحاکم العادل فی حکمہ) قدیمی کتب خانہ کراچی، ج ۲، ص ۳۰۲۔

۲۴۔ ابن طلاع، اقضیۃ رسول، دارالکتاب لبنان، ۱۹۸۲ء، ص ۴۱۔

۲۵۔ امام مسلم، الجامع الصحیح، (کتاب الاقضیۃ، باب اجر الحاکم اذا اجتہد) مطبع علیمی، دہلی، ۱۳۴۸ھ، ج ۲، ص ۷۶۔

۲۶۔ سنن دارقطنی میں دس اجر کا ذکر ہے، (دارقطنی، سنن دارقطنی، (کتاب فی الاقضیہ) شیخ عبداللہ ہاشم یمانی، مدینہ منورہ، ۱۹۶۶ء، ج ۴، ص ۲۰۳۔

۲۷۔ امام بخاری، الجامع الصحیح (کتاب الاحکام، باب اجر من قضی بالحکمۃ) نور محمد، کراچی، ۱۳۵۷ھ ج ۲، ص ۱۰۵۷۔

۲۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ (کتاب آداب القاضی، باب من ابتلی بشیء) دارالفکر، بیروت (ت۔

ن) ج ۱۰، ص ۸۸۔
۲۹۔ دارقطنی، سنن دارقطنی، (کتاب الاقضیہ، باب فی طلب القضاء) ج ۴، ص ۲۰۴۔
۳۰۔ انعام: ۳۸۔
۳۱۔ انعام: ۵۹۔
۳۲۔ قمر: ۵۳۔
۳۳۔ الحجرات: ۹۔
۳۴۔ نساء: ۶۵۔
۳۵۔ قرطبی ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع الاحکام، دارالکاتب العربیہ، تہران، ۱۹۶۷ء، ج ۵، ص ۲۶۶۔
۳۶۔ ایضاً، ج ۵، ص ۲۶۳۔۲۶۴۔
۳۷۔ احزاب: ۳۶۔
۳۸۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۳ء، ج ۳، ص ۴۸۹۔
۳۹۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران پاک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۲ء۔
۴۰۔ نسائی، سنن نسائی (کتاب آداب القضاۃ، باب رخصة للحاکم الامین ان یحکم وهو غضبان) ج ۳، ص ۱۰۹۶، ابوداؤد، سنن ابی داؤد، (کتاب الاقضیہ، باب من القضاء) ج ۲، ص ۵۱۲۔
۴۱۔ ابوداؤد، سنن ابی داؤد (کتاب الاقضیہ، باب من القضاء) ج ۲، ص ۵۱۲۔
۴۲۔ مسلم: الجامع الصحیح (کتاب القسامہ، باب اثبات القصاص) ج ۲، ص ۵۹۔
بخاری، (الجامع الصحیح، باب الصلح فی الایة) ج ۱، ص ۳۷۲۔
۴۳۔ مسلم، الجامع الصحیح (کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج و احکامهم) ج ۱، ص ۳۴۱۔
بخاری، الجامع الصحیح، (کتاب المغازی، باب بعث علی بن ابی طالب و خالد بن ولید) ج ۲، ص ۶۲۴، ابن طلاع، اقضیة رسول، ص ۲۸۴۔
۴۴۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء ترجمہ اشتیاق احمد، نور محمد، کراچی، ت۔ن، ج ۳، ص ۴۴۶۔
۴۵۔ نظام شیخ و جماعۃ، فتاویٰ ہندیہ نورانی کتب خانہ پشاور، (ت۔ن) ج ۳، ص ۳۲۲۔
۴۶۔ نظام شیخ و جماعۃ، فتاویٰ ہندیہ نورانی کتب خانہ پشاور، (ت۔ن) ج ۳! ص ۳۲۱۔

☆حقیقت کی تین قسمیں ہیں۔ نمبر۱: متعذرہ نمبر۲: مهجورہ، نمبر۳: مستعملہ☆

۴۷۔ ابن شحنہ ابو الولید ابراہیم بن ابو الیمن محمد، لسان الحکام یلیہ معین الحکام لطرابلسی، مصطفیٰ البابی حلبی مصر، ۱۹۹۳ء، ص ۲۱۹۔
۴۸۔ ماوردی، ادب القاضی، بحوالہ مجاہد الاسلام قاسمی، اسلامی عدالت، قاضی پبلشرز، دہلی ۱۹۸۸ء، حصہ اول، ص ۳۲۲۔
۴۹۔ مجلّہ احکام العدلیہ، دفعہ ۱۷۹۵، کتاب نمبر ۱۶، باب اول، حصہ دوم، نور محمد، کراچی، (ت۔ن) ص ۳۶۶۔
۵۰۔ طرابلسی، معین الحکام، ص ۲۱۔
۵۱۔ ایضاً، ص ۲۲۔
۵۲۔ طرابلسی، معین الحکام، ص ۲۱۔
۵۳۔ ایضاً، ص ۲۲۔
۵۴۔ ایضاً، ص ۲۳۔
۵۵۔ ایضاً۔
۵۶۔ ایضاً، ص ۲۱۔
۵۷۔ ابن ابی لیلیٰ کوفہ کے بہت بڑے قاضی تھے ان کے متعلق منصور بن معتمر سے کسی نے پوچھا کہ اہل کوفہ میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے تو اس نے کہا ہمارا قاضی ابن ابی لیلیٰ اور یہ عمر میں امام ابو حنیفہؒ سے کافی بڑے تھے۔
۵۸۔ (محمد بن خلف وکیع، اخبار القضاۃ)، عالم الکتب بیروت، (ت۔ن) ج ۳، ص ۱۳۱۔
۵۹۔ ابن قدامہ، المغنی، ج ۹، ص ۴۳۔۴۴۔
۶۰۔ محمد بن ادریس شافعی، کتاب الام، دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۹۷۳ء، ج ۶، ص ۱۹۹۔
۶۱۔ ابو اسحٰق ابراہیم بن یوسف فیروز آبادی شیرازی، المہذب، مکتبہ عیسیٰ حلبی، مصر (ت۔ن) جلد ۲، ص ۲۹۹۔۳۰۰۔
۶۲۔ امام مالک بروایت سحنون، المدونۃ الکبریٰ، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۸ء، ج ۴، ص ۷۶۔
۶۳۔ شیخ محمد عرفہ الاسوقی، حاشیہ الاسوقی علی الشرح الکبیر، دار احیاء الکتب العربیہ، مصر (ت۔ن) ج ۴، ص ۱۳۲۔۱۳۳۔

☆ مجاز، حقیقت نہیں، حقیقت کا نائب ہے ☆

۶۴۔ ابوالبرکات احمد بن محمد الدردیر، الشرح الصغیر، دار معارف، مصر ۱۹۷۳ء، ج ۴، ص ۱۹۴۔۱۹۵

۶۵۔ علاؤ الدین کاسانی، بدائع صنائع (ترجمہ پروفیسر خان محمد چاولہ) مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور، ۱۹۸۷ء، ج ۷، ص ۴۳۔

۶۶۔ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، نور محمد کتب خانہ، کراچی (ت۔ن) ص ۲۰۴۔

عبدالجبار جومرد، خلیفہ ابوجعفر منصور، ترجمہ رشید احمد رشید، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۸۱۔۳۸۰۔

67- The contempt of court act, 1976, Zafar Hussain Ch. p.96.

68- Ibid.

69- Contempt of Court Act, 1976, commentary by Z. H. Chaudhary, p. 2-3.

۷۰۔ تعزیرات پاکستان کی وہ دفعات یہ ہیں:

دفعہ ۱۷۵: یہ اس شخص کے متعلق ہے جو کسی عدالت انصاف کو دستاویز پیش کرنیکا قانوناً پابند ہو اور وہ دستاویز پیش نہ کرے اس کو چھ ماہ تک قید یا ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔

دفعہ ۱۷۸: جو شخص سرکاری ملازم کے جائز حکم پر حلف یا اقرار صالح اٹھانے سے انکار کرے تو اسے بھی ۶ ماہ تک قید یا ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں ہوسکتی ہیں۔

دفعہ ۱۷۹: وہ شخص جو کسی سرکاری ملازم کو جواب دینے سے انکار کرے جو سوال کرنے کا مجاز ہو اسے بھی چھ ماہ قید ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔

دفعہ ۱۸۰: دیے ہوئے بیان پر دستخط کرنے سے انکار کرے جو سوال کرنے کا مجاز ہو تو بھی اسے چھ ماہ قید یا ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں ہوسکتی ہیں۔

دفعہ ۲۲۸: عدالتی کاروائی میں مصروف سرکاری ملازم کی دانستہ توہین کرنا یا خلل اندازی کرنا اس کی بھی چھ ماہ قید یا ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں ہوسکتی ہیں۔

مجموعہ تعزیرات پاکستان، شارح انعام الحق میاں، منصور تک ہاؤس، لاہور (ت۔ن) ص ۱۸۴۔۱۸۸، ۲۲۸۔

۷۱۔ مجمعہ ضابطہ فوجداری، شان بک کارپوریشن لاہور، (ت۔ن) ص ۲۰۴۔

☆ صاحبین کے نزدیک مجاز اسی وقت حقیقت کا نائب بنے گا جب حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو ☆

۷۲۔ PLD 1965, p - 677۔

73- State V.Sir Edward Snelson, PLD, 1961, Lahore, p-78.

74- State V.Sir Edward Snelson, PLD, 1978, Lahore, p-36.

۷۵۔ محمد دین، رہنمائے وکالت، امین براوڈ، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۲۰۵۔ ۲۰۶۔

۷۶۔ محمد دین، رہنمائے وکالت، ص ۲۰۵۔

۷۷۔ ایضاً، ص ۲۰۶۔

۷۸۔ منشی عبدالرحمٰن، کچہری کی دنیا، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۷۸ء، ص ۱۲۳۔

۷۹۔ ''خالد علوی، قرآن کا تصور عدل'' ''سہ ماہی منہاج''، جلد اول، شمارہ ۴۔ (اکتوبر ۱۹۸۳ء) مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور، ص ۵۰۔

۸۰۔ نوائے وقت لاہور، مورخہ ۲۸/دسمبر ۱۹۹۴ء، ص ۱۔

سرمایہ کاری کے شرعی احکام

☆☆

تالیف مفتی سید صابر حسنین

☆☆☆

اسلامی بنکاری وتکافل کے شعبہ سے وابستہ ماہرین،

اساتذہ وطلبہ اور شائقین علوم اسلامیہ کے لئے

مفید علمی تحفہ

ہر اچھے بکسٹال پر دستیاب ہے۔

☆امام صاحب کے نزدیک اگر حقیقت پر عمل ناممکن بھی ہو تب بھی مجاز اس کا نائب بنے گا۔☆

اِسکالرز اکیڈمی کی مطبوعات

(۱) تاریخِ نفاذِ حدود
(۲) کریڈٹ کارڈ (تاریخ، تعارف، شرعی حیثیت)
(۳) کاغذی کرنسی کی شرعی حیثیت
(۴) بینکوں کے ذریعہ زکوٰۃ کی کٹوتی کا شرعی تجزیہ
(۵) شیئرز کے کاروبار کی شرعی حیثیت
(۶) امام وخطیب کی شرعی ومعاشرتی حیثیت
(۷) جدید فقہی مسائل اوران کا مجوزہ حل
(۸) لوگ کیا کہیں گے
(۹) تعارفِ قادیانیت اور مسئلہ ختمِ نبوت
(۱۰) اسلامی بینکاری اور سودی بینکاری میں فرق
(۱۱) مختصر نصابِ قرآن (بچوں کے لیے)
(۱۲) مختصر نصابِ حدیث (بچوں کے لیے)
(۱۳) مختصر نصابِ سیرت (بچوں کے لیے)
(۱۴) مختصر نصابِ فقہ (بچوں کے لیے)
(۱۵) مختصر دعائیں (بچوں کے لیے)
(۱۶) منتخب مباحث علوم القرآن
(۱۷) شرعی علوم کی ترویج میں کمپیوٹر کا کردار
(۱۸) رطب ویابس
(۱۹) بعض جدید مسائل ومعاملات کی شرعی حیثیت
(۲۰) پندرہویں صدی کا مجدد کون؟
(۲۱) لیزنگ (اجارہ) کی شرعی حیثیت
(۲۲) انڈیکس شرح صحیح مسلم
(۲۳) کلوننگ (تعارف، امکانات، خدشات، شرعی نقطۂ نظر)
(۲۴) روزہ رکھیے مگر!
(۲۵) کڑوی روٹی (مرگ کے موقع پر ہونے والی دعوتوں کا شرعی تجزیہ)
(۲۶) قربانی کیسے کریں؟

بعض دیگر اہم کتب جو ہمارے ہاں دستیاب ہیں

چہل حدیث شریف کا تحفہ (از شیخ الحدیث علامہ محمد رمضان رحمہ الرحمٰن)

پی ایچ ڈی کیسے کریں؟ (از لطافت بریلوی)

شعلہ آواز، بچوں کے لیے تقریروں کا مجموعہ (از ڈاکٹر محمد صحبت خان کوہاٹی)

☆ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ نکاح بھی عقدِ مالی ہے ☆

دہشت گردی کی حقیقت

اور اسلام میں اس کا حل

محمد علی تسخیری، ایران

ترجمہ: حسیب الرحمٰن ندوی

اسلام اور انسانی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف پر ایک نظر:

پچھلے بیس سالوں میں دہشت گردی کے تعلق سے بہت تحقیقات منظر عام پر آئیں۔ بعض نے ان کی تعداد نو سو تک قرار دیا ہے، خصوصی میگزین و ماہنامے شائع ہوئے، بلکہ علمی مراکز و معاہد تک کا قیام وجود میں آیا۔ دہشت گردی سے لڑنے کے لئے طرح طرح کی اسٹریٹجی اور طریقہ کار پیش کئے گئے۔ دہشت گردی سے لڑنے کے لئے اتنی فوجوں کو تربیت دی گئی جن کی تعداد خود دہشت گردوں سے متجاوز ہے، بلکہ شاید دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر خود دہشت گردی کا ارتکاب کیا گیا، اس کینسر کے علاج کے لئے بے شمار سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ (الارہاب الدولی: ڈاکٹر محمد عزیز شکری، ص ۱۱)۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان سب کے باوجود دہشت گردی کا مفہوم مبہم کا مبہم رہا۔ اس کے متعلق اٹھنے والے سوالات بلا جواب رہ گئے۔ گویا وہ خود امر مقصود ہے جو دہشت گردی کی مخالفت و مزاحمت کے دعویدار ان کو سخت ترین دہشت گردی کے ارتکاب وغرور و تکبر کے مظاہرے، قوموں کی نسل کشی، ان کے حقوق کی پامالی، ان کی دولت کے سرچشموں کی بربادی اور ان کی عزت و آبرو سے کھلواڑ کرنے کا جواز فراہم کرتا ہے۔

محقق شمید نے دہشت گردی کی ۱۰۹ تعریفوں کا ذکر کیا ہے، اور پھر اس نے خود اس کی تعریف یوں کی ہے:

دہشت گردی کشمکش و تنازع کا ایک اسلوب ہے جس میں رمزی شکار تشدد کے فعال ہدف کے طور پر کام کرتے ہیں۔ یہ سرگرم و فعال شکار کی جماعت اپنی خصوصیات کے ساتھ کسی دوسرے گروپ یا جماعت کی خصوصیات میں اشتراک کا رشتہ رکھتی ہے جو اس کو قربانی کے لئے منتخب

کرنے میں بنیاد و اساس کا کام کرتی ہے، سنجیدہ تشدد یا دھمکی کے استعمال سے اس جماعت یا طبقہ کے دوسرے افراد مستقل خوف و دہشت کی حالت میں رہتے ہیں، اور یہ جماعت جس کے افراد کے احساس امن کو بالقصد پارہ پارہ کیا جاتا ہے وہی اس مستقل خوف و دہشت کا ہدف بنتی ہے، جس کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اس کی قربانی کو اکثر مشاہدین کی نگاہ میں غیر طبیعی عمل سمجھا جاتا ہے، کبھی تو اس عمل میں قساوت وشدت کی وجہ سے، کبھی وقتی نامناسبت کی وجہ سے (مثلاً امن وصلح کے زمانے میں) اور کبھی مکانی نامناسبت کی وجہ سے (جیسے میدانِ جنگ کے علاوہ ہو)، یا روایتی جنگ میں رائج ومقبول قواعد کی عدم پابندی کی وجہ سے (الارہاب السیاسی، ص ۱-۲)۔ اسی طرح وہ اس کی طویل تعریف کرتا ہے جس کا کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔

جبکہ جنکنیز نے دہشت گردی کی تعریف یہ کی ہے کہ: دہشت گردی وہ عمل ہے جسے برے اشخاص انجام دیتے ہیں۔

حالانکہ یہ عجیب وغریب تعریف ہے، اب کون اچھے برے اور خیر وشر کی تحدید کرے گا؟ کیا وہ وہی مغرور متکبر طاقتور نہیں ہیں جو انسانیت کی قسمتوں سے کھیلتے ہیں جن میں سرفہرست آج امریکہ ہے؟

استاذ شریف بسیونی نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ:

دہشت گردی عالمی سطح پر ممنوع تشدد کے استعمال کا طریقہ ہے، جس پر اعتقادی و مذہبی بواعث واسباب آمادہ کرتے ہیں اور جس کا مقصد متعین معاشرہ کے کسی معین طبقہ کے اندر رعب و دہشت کو پیدا کرنا ہوتا ہے، تاکہ کرسی تک پہنچا جا سکے، یا کسی مطالبہ یا ظلم کی دادرسی کا پروپیگنڈا مقصود ہوتا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کے انجام دینے والے خود اپنے لئے کرتے ہیں یا کسی ملک کی نیابت میں (حول الارہاب الدولی، ص ۱۶)

اگرچہ بسیونی ایک معروف قانون داں ہیں، اور ۱۹۸۸ء میں ویانا میں منعقد علاقائی ماہرین کے اجتماعات میں اس تعریف کو قبول بھی کیا گیا ہے، لیکن اس تعریف میں بعض قابل مؤاخذہ جھول ہیں جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ اس میں انفرادی دہشت گردی پر ترکیز کی گئی ہے اور یہ تعریف جامع نہیں ہے۔

جناب شکری صاحب نے اس اصطلاح کی ملکی قوانین جیسے سوری اور فرانسیسی قوانین میں

☆ دلالت النص سے وہ حکم ثابت ہوتا ہے جو منصوص علیہ حکم کی علت کے طور پر از روئے لغت معلوم ہوتا ہے ☆

تطبیقات کا مطالعہ کیا ہے، اور اسی طرح بین الاقوامی قانون کی سطح پر اس کو دیکھا ہے تو ان کے خیال میں یہ تعریف نامکمل ہے۔ (الارہاب الدولی، باب اول)

پانچویں اسلامی چوٹی کانفرنس کی قرارداد نمبر ۲۰/۵ س (ق أ) نے اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد کی رائے کی تائید کی ہے، تاکہ بین الاقوامی دہشت گردی کے موضوع پر بحث کی جائے، اور اس کے اور قوموں کی اس مزاحمت کے درمیان فرق وتمیز کو واضح کیا جائے جو اپنے قومی مصالح اور اپنی زمین کی آزادی کے لئے کرتی ہیں۔ یہ کانفرنس جنیوا میں منعقد ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس میں شرکت کی توفیق عطا فرمائی، اس اجتماع میں مندرجہ ذیل اعتبارات کو ذہن میں رکھنا ہمارے لئے ضروری تھا:

سب سے پہلے اسلامی مصادر و مراجع کی مراجعت کرنا تاکہ بڑے انقلابی مقاصد کا استحضار ہو سکے، اور ان اصول و مبادی کی معرفت حاصل ہو جن کو اسلام اعمال و مقاصد کے انسانی ہونے کی بنیاد قرار دیتا ہے، اور پھر انہیں کو بنیاد بنا کر حالات و مسائل پر حکم لگایا جا سکے۔

دوسرے یہ کہ اس حقیقی و شفاف فطرت انسانی کا استقراء کیا جائے جو محدود و تنگ مفاد و مصلحت کے تقاضوں سے پاک ہو، تاکہ انسانی اصول و مبادی کو متعین کر کے بین الاقوامی پلیٹ فارم پر عمومی انسانی معیار کے طور پر پیش کیا جا سکے، تاکہ ہمارے مطالبہ کے نتائج بین الاقوامی سطح کے مختلف میدانوں پر محیط اور ایک عمومی فریم ورک کی تشکیل کے لائق اور مفید ہوں۔

تیسرے یہ کہ ان اسلامی اور انسانی اصول و مبادی سے ایک ایسی عمومی تعریف مستنبط کریں جو جامع بھی ہو اور مانع بھی، جامع ان تمام مفردات کا ہو جو دہشت گردی کے ضمن میں حقیقی ہیں، اور مانع ان تمام احوال و واقعات کے لئے ہو جو خود دہشت گردی کا سبب ہیں، اور اعلیٰ اصول و مبادی انہیں دہشت گردی کے نام سے تعبیر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

چوتھے یہ کہ ہمیں ان تمام واقعات کا جائزہ لینا ہے جو کہ قومی و بین الاقوامی سطح پر بطور دہشت گردی کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ ان نتائج کی روشنی میں ان کی تحقیق و تمحیص کی جائے اور پھر بڑی دقت و دیدہ ریزی کے بعد اس پر مناسب حکم لگایا جا سکے، تاکہ کوئی التباس یا ابہام باقی نہ رہ جائے اور ہر عمل کو امن کی حقیقی صفت سے متصف کیا جا سکے۔

اس مقدمہ کی روشنی میں ہم اپنی بات کو چند نکات میں ملخص کریں گے:

پہلا نکتہ:

یہ کہنا زائد از ضرورت ہے کہ بین الاقوامی بلاک، یا ہر ملک یہاں تک کہ ہر جماعت کے کچھ دشمن اور مخالفین ہوتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے خاتمہ کے لئے کوشاں رہتا ہے، جب کشمکش عروج پر ہوتی ہے تو ہر فریق دوسرے کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس پر طرح طرح کی تہمت طرازیاں کرتا ہے جیسے انارکی پسند، جرم پسند، قانون مخالف، باغی، غیر انسانی اور دہشت گردی وغیرہ جیسے القاب سے نوازتا ہے۔

بلکہ بسا اوقات ایک فریق اس قسم کے دعوے صرف اس لئے کرتا ہے کہ وہ دوسرے فریق کے حقوق سلب کرنے کے منصوبوں کی تنفیذ کر سکے، اور بہانہ اس تہمت کا یہ ہوتا ہے کہ وہ دشمنوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور قومی و وطنی مفاد کے خلاف کام کرتے ہیں۔

اس کام کو انجام دینے کے لئے ہر فریق اپنے بین الاقوامی اثر و رسوخ کو استعمال کرتا ہے تا کہ دوسری طاقتوں کو اپنی جانب کھینچ سکے یا تو عملی طور پر یا بین الاقوامی پلیٹ فارم اور اداروں کے ذریعہ اپنی تائید کی شکل میں، اس شکل میں مسئلہ ایک عمومی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جیت ہوتی ہے دباؤ کی، اثر و رسوخ کی اور متاثر کر دینے کی قدرت وصلاحیت کی، اور منطق سلیم کا استعمال نہیں ہوتا۔

یہیں سے احساسات کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور دہشت گردی مسترد جیسے نعروں کے تحت ان مفاد پرستانہ منصوبوں کی تنفیذ کے لئے جذبات کا ناجائز استعمال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ دہشت گردی اگر اس کے اسباب واغراض سے قطع نظر کر لیں تو انسانی طور پر قابل مذمت عمل ہے، اور کوئی بھی سلیم الفطرت انسان انسان کی عزت و آبرو، آزادی و خودمختاری، امن و امان اور نوکری و معاش کو خطرہ میں ڈالنے کو پسند نہیں کر سکتا، یہ ایک ایسا فطری احساس ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسرا نکتہ:

اگر ہم لفظ دہشت گردی کے لفظی مدلول کا تتبع کرتے ہیں اور انسانی زندگی پر اس کے مدلولات کا جائزہ لیتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ دہشت گردی مختلف سطحوں پر ہوسکتی ہے، دہشت گردی کی ایک قسم وہ ہے جو امن وسلامتی، عزت و آبرو اور جان و مال کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے، ایک

☆خفی وہ ہے جس کی مراد کسی عارضہ کی وجہ سے چھپی ہوئی ہو صیغہ کی وجہ سے نہیں ☆

قسم تہذیبی و ثقافتی دہشت گردی کی ہے جو انسانی تشخص کو تار تار کر دیتی ہے، اور ضیاع و لامقصودیت کی طرف لے جاتی ہے، دوسری طرف میڈیائی دہشت گردی ہے جو آزاد اور صاف ستھری فضا میں انسان کے تنفس کی آزادی کو سلب کر لیتی ہے، اسی طرح ہم بہت سی دہشت گردیوں جیسے معاشی دہشت گردی، علمی دہشت گردی، سفارتی دہشت گردی اور فوجی دہشت گردی وغیرہ کا نام لے سکتے ہیں۔

دہشت گردی کے عمل کو انجام دینے والے کے لحاظ سے اس کی عملی تقسیم موجود ہے، اور اس تقسیم کو قابل اعتبار سمجھنا ضروری ہے، میری مراد اس سے دہشت گردی کی سرکاری اور غیر سرکاری تقسیم ہے، سرکاری دہشت گردی جو کہ زیادہ خطرناک دہشت گردی ہے، ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کی تائید کسی ایسے ادارے یا حکومت کی طرف سے ہو رہی ہو جس کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کر لیا گیا ہو، خواہ اس دہشت گردی کو انجام دینے والے اس ملک کی فوج ہو یا افراد ہوں، ہوسکتا ہے یہ دہشت گردی مذکورہ حکومت کے مفاد میں انجام دی جا رہی ہو، اس کے مقابلے میں غیر سرکاری دہشت گردی آتی ہے۔

تیسرا نکتہ:

کسی بھی عمل یا سلوک میں ہم دو مؤثر عنصر پر ترکیز کر سکتے ہیں:

اول: کام کرنے والوں کے دواعی و اسباب۔

دوم: خود اس عمل یا کام کی انسانوں کے نزدیک مقبولیت۔

یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم نہیں ہیں، کبھی کام کرنے والے کے شخصی اسباب اس کی نگاہ میں انسانی ہوتے ہیں حالانکہ عمومی سطح پر ہوسکتا ہے وہ انسانی نہ سمجھے جاتے ہوں، اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ عامل کا مقصد کوئی انسانیت پسندانہ نہیں ہوتا، اور شاید اس کی نگاہ وتصور میں وہ غیر انسانی ہی ہو لیکن عام نقطہ نظر سے وہ انسانی تصور کیا جاتا ہے۔

یہیں سے کام کے تعلق سے زاویہ ہائے نظر مختلف ہو جاتے ہیں اور اس پر حسن و قبح کا حکم لگتا ہے (مسلم علماء اصول نے عقلی تحسین و تقبیح کے سلسلے میں بڑی قیمتی تحقیقات چھوڑی ہیں جن سے یہاں تعرض کی گنجائش نہیں ہے) جو یہاں بیان کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں عناصر

میں سے کوئی ایک تنہا کسی عمل کو قابل قبول یا قابل رد قرار دینے کے لئے یا اس پر منفی یا مثبت حکم لگانے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ مطلوب کے حصول کے لئے دونوں عناصر میں مثبت ہونے کی ضمانت لازمی ہے۔

لہٰذا ہمیں اپنی اس بحث میں معروضیت کی ضمانت کے لئے اس معیار کا جاننا ضروری ہے جو کسی بھی عمل کو مقبول اور انسانی قرار دیتا ہے، اور یہ دو زاویہ نظر یعنی اسلامی اور عمومی بشری زاویہ ہائے نظر سے دیکھا جائے گا۔

اسلامی زاویہ نظر سے دیکھنے کے لئے ہمیں ان تمام بنیادوں، مفاہیم اور احکام کا مطالعہ کرنا ہوگا جو کسی بھی طرح دہشت گردی کے لغوی، لسانی معنوں سے تعلق رکھتے ہیں، تا کہ قابل مذمت دہشت گردی یعنی اسلامی اعتبار سے نا قابل قبول دہشت گردی بایں طور کہ وہ کمال انسانی کی اس راہ وطریقہ کے منافی ہو جس کو اللہ رب العزت نے نظریہ فطرت کے تحت بشریت کے لئے متعین کیا ہے اور وحی کے ذریعہ اس کی منصوبہ بندی کی ہے، ایک عمومی تعریف دی جا سکے۔

جب اسلامی تعلیمات کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں تو اس میدان میں اسلام ہمیں بہت سا مواد فراہم کرتا ہے، ہمیں لگتا ہے کہ علماء اسلام نے موضوع سے مرتبط مختلف حالات پر بحثیں کی ہیں۔

اب دیکھئے: بغی کے احکام ہیں یعنی مسلح جماعت کا کسی قانون اور انصاف پسند حکومت کے خلاف بغاوت، معاشرہ میں خوف و دہشت کا پھیلانا اور ایسے سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول کی کوشش جو امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتے ہوں۔

جنگ کے احکام اور اس کی اخلاقیات ہیں (دیکھئے: ہمارا مقالہ ''احکام الحرب والاسری... بین الرحمۃ والمصلحۃ'')

حرابہ کے احکام ہیں (حرابہ کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ شہر یا خارج شہر لوگوں کو مرد ہوں یا عورت، کمزور ہوں یا قوی، ڈرانے کے لئے خشکی میں ہو یا تری میں، دن کی روشنی میں ہو یا رات کی تاریکی میں ہتھیار اٹھانے کا نام حرابہ ہے) اور یہ تعریف اللہ کے اس قول سے مستنبط کی گئی ہے،

''انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسوله ویسعون فی الأرض
فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف